ہم تڑپ کر رہ گئے ......وہ مسکرا کر چل دیئے

فضیلۃ الشیخ نجیب اللہ طارق حفظہ اللہ تعالیٰ

ایک صحیح روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ پھر جبرئیل فرشتوں میں اعلان کرتے ہیں کہ تم سب اس سے محبت کرو چنانچہ پھر یہ صدا آسمانوں اور زمین پر گونجنے لگتی ہے اور زمین و آسمان کے سب لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

آج جب دل میں آیا کہ اپنی مادر علمی کے ایسے استاد کے بارے میں خراج عقیدت کے لیے کچھ الفاظ لکھ دوں جنہوں نے آج 12 اکتوبر 2015 تک یہ انفرادی ریکارڈ قائم کیا کہ تقریباً بیالیس سال جامعہ سلفیہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ تو دل میں فوراً مذکورہ بالا حدیث نے سرگوشی کی کہ ذرا غور کرو کہ یہ حدیث قاری محمد رمضانؒ کے بارے میں تو نہیں چنانچہ دل و دماغ نے بیک وقت پکارا ہاں ہاں کیوں نہیں ان شاء اللہ یقیناً قاری صاحب اس حدیث کے ضرور مصداق ہونگے۔

قاری رمضان صاحب نے 1973 سے جامعہ سلفیہ میں تدریس شروع کی اور زندگی کی آخری گھڑیاں بھی اسی عظیم جامعہ میں قرآن حفظ کراتے کراتے گزار دیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

قاری صاحب کی زندگی کے بارے میں کچھ لکھتے ہوئے یہ احساس بڑی شدت سے دامن گیر ہے کہ ان کی زندگی کے کس گوشے کو ذرا تفصیل سے لکھوں۔ کیونکہ اگر حقیقتاً دیکھا جائے تو اس وقت بھی بہت سے قراء ایسے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ ایسے ہی تدریس کے شعبے میں بھی ایسے مدرسین موجود ہیں جنہوں نے تدریس کے میدان میں لازوال مقام پایا ہے۔ ایسے ہی خطابت کے میدان میں بھی بہت سے نامور شہسواران نے خطابت میں نام کمایا ہے۔

مگر قاری صاحب میں ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک خوبی ایسی تھی جو اس موجودہ زمانے

میں خال خال ہی نظر آتی ہے کہ قاری صاحب اخلاق حسنہ کے مجسم تھے۔
کیا یہ بات حیرتناک نہیں کہ ایک شخص نے بیالیس سال تک ایک ادارے میں نہ صرف یہ کہ پڑھایا ہو بلکہ اس ادارے کے دیگر شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دی ہوں مگر مجال ہے کہ اس طویل عرصے میں قاری صاحب نے کسی کی دل آزاری کی ہو۔ ہر شخص خواہ وہ چھوٹا ہے یا بڑا استاد ہے یا شاگرد۔ ہر ایک کی عزت نفس کا پاس کرتے ہوئے اس کے ساتھ نہایت عزت واکرام والا معاملہ کرنا۔

قاری صاحب کی خوبیوں کا تذکرہ چل نکلا ہے تو عرض کرتا ہوں کہ قاری صاحب جو کہ اصلاً بورے والا کے رہنے والے تھے انکی ساری برادری بورے والا اور دیگر شہروں میں ہے فیصل آباد میں انکی ذاتی خاندانی برادری برائے نام تھی وہ شروع میں فیصل آباد آئے تو گلبرگ (سی) میں مسجد فردوس میں حفظ کی کلاس شروع کردی۔ اور ساتھ ساتھ ناظرہ بھی پڑھاتے تھے۔

اگرچہ قاری صاحب نے باقاعدہ درس نظامی کی تکمیل جامعہ محمدیہ اوکاڑہ سے کی تھی مگر کتابوں کی تدریس چھوڑ کر کتاب اللہ کی خدمت میں اپنے آپ کو وقف کردیا گلبرگ سے وہ جامعہ میں آگئے۔

عمومی طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی قاری یا مدرس کسی مسجد کو چھوڑ کر کسی دوسرے ادارے میں جاتا ہے تو پہلے والی مسجد والوں سے اسکے تعلقات کشیدہ ہو جاتے ہیں۔ مگر قربان جایئے قاری صاحب کے اخلاق کریم پر کہ وہ جامعہ سلفیہ میں مستقل آگئے۔ مگر مسجد فردوس والوں نے آپ کو ایک دن کے لیے بھی نہ جانے دیا اور اپنی فیصل آباد میں گزاری ہوئی پوری زندگی آپ نے مسجد فردوس میں خطبہ دیتے ہوئے گزاردی۔ ہم ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ انکی زیادہ محبت جامعہ سے تھی یا مسجد فردوس سے۔

قارئین......!

قاری صاحب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انکے پاس ایسے افراد کی ایک لمبی فہرست تھی جو اتنے امیر اور وسائل والے تھے کہ اگر قاری صاحب شہر میں اپنا کوئی حفظ کا ذاتی مدرسہ کھول لیتے تو ان پر لوگ اندھا اعتماد کرتے ہوئے انکو تمام وسائل مہیا کردیتے اور قاری صاحب اس مدرسہ کو احسن انداز میں چلانے کی مکمل صلاحیت رکھتے تھے مگر دیکھیں انہیں جامعہ سلفیہ سے کتنی محبت اور

تعلق تھا کہ انہوں نے ذاتی مدرسے کی بجائے جامعہ میں معمولی تنخواہ پر مدرس بننا قبول کرلیا ذاتی مدرسے کا ناظم یا مدیر بننے سے انکار کر دیا۔ شاید ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کسی نے کہا ہے……

ہر گز نمیرد کہ نام اوش زندہ است   ثبت است بر جریدہ عالم ما

قاری صاحب باقاعدہ محفل حسن قرأت کی محافل میں اپنی قرأت کے جوہر دکھانے والے تو نہیں لیکن ایک بات میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اللہ نے انکی تلاوت میں ایسی نغمگی اور مٹھاس رکھی تھی جو کانوں کے اندر رس گھولتی ہوئی دلوں کے نہاں خانوں کو سرشار کر جاتی تھی۔

اسی طرح قاری صاحب معروف اصطلاح میں کوئی نامور خطیب نہ تھے مگر انکی خطابت کے اندر وہ کونسی چیز تھی کہ شیخ برادری سے بھرے ہوئے گلبرگ (سی) نے چالیس سال تک انہیں سینے سے لگائے رکھا اور وہ بھی اپنی محبتیں انہی پر نثار کرتے رہے۔

قاری صاحب کی ایک خداداد صلاحیت یہ تھی کہ انکو لوگوں سے تعلق بنانا اور پھر اس تعلق کو نبھانا آتا تھا۔ میری رہائش فیصل آباد کے پوش علاقے پیپلز کالونی میں تھی۔ اور بہت سے لوگ گلبرگ چھوڑ کر پیپلز کالونی میں آباد ہو گئے ان لوگوں کو پیپلز کالونی میں شفٹ ہوئے عرصہ گزر گیا مگر مجال ہے کہ یہ لوگ کسی اور سے نکاح پڑھوائیں۔ یہ لوگ نکاح اور دوسری تقریبات میں قاری صاحب کو ہی بلاتے۔ اگرچہ بلا ہمیں بھی لیتے تھے مگر وہ نکاح قاری صاحب سے ہی پڑھواتے تھے اس کا نام ہے وضع داری تعلقات۔

قاری صاحب جامعہ سلفیہ کے بے لوث اور مستعد سفیر تھے جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ قاری صاحب گلبرگ کی مسجد فردوس کے خطیب تھے اور سابقہ مدرس۔ یہ علاقہ شہر کی تاجر برادری خصوصاً شیخ برادری کا ہے۔ چونکہ قاری صاحب نے نہ اپنا کوئی ذاتی مدرسہ بنایا اور جامعہ کے علاوہ کسی دوسرے مدرسے میں بھی نہ پڑھایا۔ لہٰذا اس علاقے اور گرد و پیش کے تمام تاجر حضرات کا تعاون جامعہ میں لے کر آتے تھے۔ بلکہ اکثر اوقات مجھے فرماتے میرے علاقے کا فلاں فلاں تاجر پیپلز کالونی میں منتقل ہو گیا ہے اور آجکل آپکی مسجد میں جمعہ پڑھتا ہے اس سے تعلق رکھو۔ بسا اوقات مجھے اپنے یا ماجا موٹر سائیکل پر بٹھا کر انکی دوکانوں پر لے جاتے اور تعارف کرواتے اور کہتے آئندہ سے یہ چندہ لینے آئے گا۔ اور میرے کان میں کہتے بڑی آسامی ہے ایک لاکھ سے کم نہ لینا۔

قارئین......!

اسے کہتے ہیں کسی ادارے کا بے لوث اور مخلص کارکن ۔ ہاں ایک مزید بات، جن لوگوں نے قاری صاحب کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ قاری صاحب ماشاءاللہ **بسطة فی العلم والجسم** کی تصویر تھے۔

چنانچہ اکثر وہ موٹر سائیکل پر اکیلے ہی بیٹھتے تھے۔ چنانچہ عام پیچھے بیٹھنے والے کے لیے اچھی خاصی دشواری ہوتی اور اگر کبھی مجھے اپنی موٹر سائیکل پر بٹھا کر بازار لے جاتے تو جو لوگ مجھے اور میرے پیٹ کو جانتے ہیں وہ ذرا تصور میں اس منظر کو لائیں اور زیر لب مسکرادیں۔

قاری صاحب کے لبوں پر ہمیشہ ایک محبت بھری دلنواز مسکراہٹ رہتی تھی مگر بخدا میں نے کبھی انہیں قہقہہ مار کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ میرے پیارے نبی ﷺ کی سنت بھی یہی ہے۔

قاری صاحب کو سیاست سے خاصی دلچسپی تھی جن جماعتوں کو وہ محب وطن سمجھتے تھے ان کے زبردست حامی ہوتے اور انکی کامیابی کے لیے دعا گو رہتے اور اس جماعت کی کامیابیوں سے انکی مسرت دیدنی ہوتی، البتہ جن سیاستدانوں کو وہ ملک کے بہی خواہ نہیں سمجھتے تھے انکی کامیابیوں پر سخت پریشان ہوجاتے تھے۔ خوشی کی خبریں سن کر اپنے دوست واحباب کو سناتے اور خوب خوش ہوتے تھے۔

قاری صاحب کے چہرے کی مسکراہٹ زندگی میں بھی انکے ساتھ تھی اور وفات کے بعد بھی۔ شاید کسی شاعر نے انکے لیے کہا تھا۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم — چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

قارئین......!

نصف صدی کے قریب رفاقت کی یادیں اور باتیں کہاں ختم ہونے والی ہیں۔ بس دعا ہے اللہ انکو جنت میں اعلیٰ مقام پر سرفراز فرمائے اور پس ماندگان جن میں انکی حقیقی اولاد اور رشتہ دار اور دوسرے انکے شاگردوں اور دوستوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ قاری صاحب کی وفات کے بعد انکے بیٹے حافظ فرحان کو قاری صاحب کی مسند پر بٹھا دیا گیا ہے۔ انکا یہ بیٹا حافظ قرآن اور جامعہ سلفیہ سے درس نظامی کی سند حاصل کر چکا ہے۔ مزید خوشی یہ ہے کہ ان کے بیٹے کا سراپا بھی قاری صاحب سے ملتا جلتا ہے اور اسکی آواز میں قاری صاحب کی سی نغمگی پائی جاتی ہے۔

☆......☆......☆......☆